© rasailojaraid.com

مولانا سندھی کے ساتھی ظفر حسن صاحب کی

"آپ بیتی"

تلخیص و تبصرہ

۱۹۱۰ء کے بعد پاک و ہند کے مسلمانوں میں یک بارگی برطانیہ دشمنی کی ایک لہر اٹھی تھی، جو ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان اور اس کے بعد ۱۹۱۳ء کی جنگ طرابلس کی وجہ سے برابر زور پکڑتی گئی پھر پہلی جنگ عظیم شروع ہوتی ہے، گو اس جنگ کے دوران برطانوی حکومت کے جبر کے تحت مسلمان خاموش رہے، لیکن جیسے ہی جنگ ختم ہوئی ان کی یہ برطانیہ دشمنی ایک طوفان کی شکل اختیار کر گئی چنانچہ خلافت تحریک کے سلسلے میں کوئی تیس ہزار مسلمان بڑے جوش و خروش سے جیلوں میں گئے۔ اور اس وقت برطانیہ دشمنی اسلام کا ایک لازمی شعار سا بن گیا۔

برطانیہ دشمنی کی اس لہر کے اہم مرکز علی گڑھ کا ایم او کالج، لاہور اور بعض دوسرے شہروں کے کالج تھے، یعنی گزشتہ تیس چالیس سالوں سے ان کالجوں میں جن مسلمان نوجوانوں کو حکومت وقت کی وفاداری کی تلقین ہو رہی تھی، انہی میں سے بعض ایسے نوجوان اٹھتے ہیں، جو برصغیر سے برطانوی اقتدار کو ختم کرنے کے لئے جان کی بازی لگاتے ہیں، اور وہ کچھ کر گزرتے ہیں کہ ان کے کارنامے آج ہمیں ایک افسانہ معلوم ہوتے ہیں۔

ان مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں برطانیہ دشمنی کی اس آگ کو ہوا دینے میں مولانا محمد علی مرحوم کے انگریزی ہفت روزہ "کامریڈ" علامہ اقبال کی ملی نظموں اور مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" کا بڑا دخل تھا۔ زیر نظر کتاب "آپ بیتی" کے مصنف محترم ظفر حسن صاحب اس دور کے ان مسلمان نوجوانوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے اس سرزمین سے برطانیہ کو نکالنے اور اس سرزمین سے باہر دوسرے مسلمان ملکوں کو اس کے چنگل سے بچانے کی خاطر ۱۹۱۵ء میں اپنے قدیم وطن کو خیر باد کہا۔ اور اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے سنئے وطن ترکی میں اپنی اس پچاس سال کی جدوجہد کی ایک مختصر کہانی ہمیں سنا رہے ہیں۔

محترم ظفر حسن صاحب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے معتمد ترین، مخلص ترین اور قابل ترین ساتھیوں یا زیادہ صحیح الفاظ میں جیسے کہ وہ خود بار بار اس کتاب میں اپنا تعارف کراتے ہیں، شاگردوں میں سے فائق ترین ہیں۔ اور ان کی یہ "آپ بیتی" ایک لحاظ سے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ہی کی آپ بیتی کا ایک حصہ ہے۔ اور اس سے نہ صرف ان دونوں بزرگوں کی زندگی اور جدوجہد کی ایک تصویر ہمارے سامنے آتی ہے بلکہ اس دور کی برصغیر اور اس کے علاوہ بین الاسلامی سیاسیات کی تاریخ سے ہم متعارف ہوتے ہیں۔

ظفر حسن صاحب ۱۸۹۵ء میں کرنال میں پیدا ہوئے، ان کا خاندان ایک مذہبی خاندان تھا مشہور بزرگ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری جنہیں "وہابیوں" کے لئے خفیہ چندہ کر کے سرحدی علاقے میں بھیجنے کے الزام میں کالا پانی کی سزا دی گئی تھی، آپ کے رشتہ دار تھے۔ چنانچہ ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

"میں نے ان کو کئی دفعہ جب میں بہت چھوٹی عمر کا تھا، دیکھا تھا اور ان کو چچا جی کہہ کر پکارا کرتا تھا۔"

ظفر حسن صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔ اور اس میں وظیفہ لیا۔ جس کی وجہ سے وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوگئے، ایف ایس سی میں بھی ان کو وظیفہ ملا۔ اور بی اے میں انہیں ریاضی لی۔ اس زمانے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

مجھے گورنمنٹ کالج میں آئے ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ جنگ بلقان شروع ہوگئی۔ اس کے بعد جنگ طرابلس ہوئی۔ اس سے مسلمانوں میں بہت بے چینی پھیلی۔ ترکوں کی حمایت میں عام جلسے ہونے لگے۔ چندے جمع کئے جانے لگے...... ڈاکٹر اقبال مرحوم ان جلسوں میں اپنی نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ میں بھی اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ ان جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا طرابلس کے شہیدوں کے بارے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی اس نظم کا جس کا عنوان "حضور رسالت مآب میں" ہے ہمارے دلوں پر بہت اثر ہوا۔

اس نظم کے آخری دو شعر یہ ہیں۔

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — یہ چیز وہ ہے کہ جنت میں بھی نہیں ملتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

ترکوں کے خلاف انگریز اور دوسری یورپی قومیں جس طرح برسرپیکار تھیں اور ان کو ختم کرنے کا تہیہ کر چکی تھیں اس سے مسلمانان پاک وہند کے جذبات بڑے مشتعل تھے۔ اس کے نتیجے میں جہاں ایک طرف انگریزوں سے نفرت بڑھ رہی تھی، وہاں دوسری طرف کالجوں میں پڑھنے والے مسلمان نوجوانوں میں اسلامیت کا جذبہ ابھر رہا تھا۔ اسی زمانے میں ایم اوکالج علی گڑھ کے طلبہ نے گوشت کھانا چھوڑ دیا اور اسی طرح جو پیسے بچائے وہ ترکوں کی امداد کے لئے بھیجے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے، ایم او کالج کے طلبہ یہ الاپتے سنے جاتے تھے، "بلقان چلو، بلقان چلو" مولانا شبلی کی مشہور نظم شہر آشوب اسلام اسی دور کی یادگار ہے۔ اس کا ایک مشہور شعر ہے۔

کہاں تک ہم سے لوگے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤگے ہمیں جنگِ صلیبی کا نشاں کب تک

اسلامی ہند کی یہ فضا تھی، جس سے ظفر حسن صاحب اور ان کے گورنمنٹ کالج لاہور کے بعض دوسرے ساتھی متاثر ہوئے چنانچہ جہاں وہ پابندی سے نمازیں پڑھنے لگے، وہاں وہ برطانوی حکومت کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنے کے منصوبے بنانے میں لگ گئے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

کالج کے باغ کے کمپاونڈ میں مسلمان طالب علموں نے نماز کے لئے ایک چبوترہ بنالیا تھا۔ اسی کے نزدیک کسی بزرگ کی قبر تھی ..... ہم صبح کی نماز اکثر جماعت سے پڑھا کرتے تھے۔

ظفر حسن صاحب کے کئی ایک اور ساتھی تھے، جن میں سے اکثر ان کے ساتھ ۱۵ ۱۹ء میں عازم کابل ہوئے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

جنگ بلقان کی خبریں اکثر بحث میں آیا کرتی تھیں۔ اور ہم سب ترکوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ہمارے اس زمانے کے قومی و مذہبی خیالات کی نشوونما میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے انگریزی اخبار کامریڈ اور مولانا ابوالکلام مرحوم کے ہفتہ وار "الہلال" اور البلاغ کا بہت اثر ہوا۔ انہی اخبارات کے مقالوں نے ہمیں ترکوں کا گرویدہ بنادیا۔ انگریزوں کے برخلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہیں انھی تحریروں نے ابھارا، اور ہم میں قومی جذبات بھی انھی جریدوں نے پیدا کئے۔

موصوف اپنے ایک ساتھی خوشی محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں کالج کے بورڈنگ میں اس کے کمرے میں پانی پینے گیا، تو دیکھا کہ اس نے صراحی توڑ دی ہے اور وہ مغموم بیٹھا ہے۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا بلغاریوں کے ترکوں کے شہر اڈریانوپل پر قبضے کرنے کی خبر آئی ہے، اور میں نے اظہار غم میں صراحی توڑ دی ہے۔ یہ خوشی محمد ظفر حسن صاحب کے ساتھ کابل گئے اور وہاں سے روس چلے گئے۔

یہ تو بہرحال نوجوان تھے، اور ان کی جذباتیت سمجھ میں آتی ہے، لیکن اس دور میں بڑوں کا کیا حال تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے۔

مولانا محمد علی مرحوم نے اپنی ایک نامکمل تصنیف میں لکھا ہے۔

> میں بلقان کی پُرمصائب جنگ کے دوران میں ایک وقت شدت جذبات سے اتنا بے قابو ہو گیا تھا، میں آج یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت خودکشی کرنے تک کا سوچا .....
>
> ..... اس رات اس مضمون کا رائٹر کا آخری تار مجھے ملا تھا کہ بلغاری فوجیں قسطنطنیہ کی دیواروں سے صرف ۲۵ میل دور رہ گئی ہیں وہ قسطنطنیہ جو گزشتہ پانچ صدیوں سے ہر مسلمان کے لئے اس کی سب سے اعلیٰ امیدوں کے مرکز ہونے کی وجہ سے مقدس تھا۔"

وہ تو اتفاق سے عین اس وقت ان کا ایک بے تکلف دوست آ گیا، جو انہیں زبردستی وہاں سے اٹھا کر لے گیا ورنہ مرحوم کے الفاظ میں "ایک ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور خون سے لت پت جسم کا ہولناک منظر دیکھنا پڑتا، جس کے بارے میں تیسری منزل سے اتفاقیہ گرنے کا حکم لگایا جاتا۔"

ترکوں کو جن مصائب سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا، اس کی وجہ سے ان سے ہمدردی کا جذبہ جس حد تک پہنچ گیا تھا، وہ آپ نے دیکھا۔ اور بقول ظفر حسن صاحب کے "خوشی محمد" اور ان کے چند دوستوں نے جن میں ہمارا اہم جماعت شجاع اللہ بھی شریک تھا یہ سوچا کہ گورنمنٹ کالج کو آگ لگا کر انگریزوں سے انتقام لیں..... شجاع اللہ نے ایک رات کو کالج کے کلرک کے کمرے کی کھڑکی کا شیشہ مکا مار کر توڑا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان کے ساتھیوں نے کچھ مٹی کا تیل کمرے میں چھڑک کر مٹی کے تیل میں ڈوبے ہوئے جلتے چیتھڑوں کو اندر پھینکا اور کمرے کو جلانے کی کوشش کی لیکن آگ زیادہ نہ جلی اور کمرے کے کاغذات وغیرہ کو کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا . . . . "

گورنمنٹ کالج لاہور کے ان طالب علموں نے بنگالی ہندوؤں کی طرح بم بنانے کا بھی سوچا چنانچہ اس لئے فیصلہ ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے جو اس وقت کلکتہ میں "الہلال" نکالا کرتے تھے، مل کر ان کے ذریعہ سے بم حاصل کریں۔ اس غرض سے ہم نے شیخ عبداللہ کو کلکتہ بھیجا، لیکن وہ وہاں سے خالی ہاتھ لوٹا کیونکہ مولانا آزاد مرحوم کو ایسی سڈیشن کی کارروائی سے اور قتل و غارت سے کوئی تعلق نہ تھا۔"

انہی دنوں پہلی جنگ عظیم شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس میں ترکی جرمنی کے ساتھ انگریزوں کے خلاف شامل ہوتا ہے۔ ظفر حسن صاحب اور ان کے ساتھی ایک برطانوی جریدہ میں سلطان ترکی کی ایک تصویر دیکھتے ہیں، جس میں وہ ایک عام جلسے میں جہاد کا فتویٰ پڑھ رہے تھے، اس تصویر کے نیچے برطانوی جریدے نے تحقیر آمیز عبارت لکھی تھی۔

۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسمٰعیل کی شہادت کے بعد ان کے ماننے والوں میں سے مجاہدین کی ایک جماعت نے افغانستان اور ہندوستان کی سرحد کے آزاد علاقے میں اپنے مرکز قائم کر لئے تھے اور وہاں سے خفیہ طور پر ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف کام ہوتا تھا۔ انہی دنوں اس جماعت کے بعض نمائندوں کا ظفر حسن صاحب اور ان کے ساتھی طالب علموں سے ربط پیدا ہوتا ہے۔ ان نمائندوں کو جب اطمینان ہو گیا تو انہوں نے خلیفۃ المسلمین کے فتویٰ جہاد کی ایک نقل ہمارے پاس بھیج دی۔ اس سے ہم سب میں ترکوں کی صفوں میں شریک ہو کر انگریزوں کے برخلاف جہاد کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ہمارے اس قسم کے خیالات کو قوی تر بنانے کے لئے انہوں نے ہمیں ــــ سیپارہ (۱۰) سورہ توبہ رکوع ۲ کی اس آیت کو قل ان کان اباء کم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومسٰکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره والله لا یهدی قوم الفاسقین ـ پڑھتے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی نصیحت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کہا کہ جہاد کے لئے اس دارالکفر سے نکل کر ہمیں ایک دارالاسلام میں چلا جانا چاہیئے اور وہاں سے ترکی فوج میں داخل ہونے کے لئے ترکی پہنچنا چاہیئے۔ ہم سب اس پر راضی تو ہو گئے، لیکن میں نے استخارہ کئے بغیر اس طرح کا فیصلہ کرنا نہ چاہا۔۔۔۔"

موصوف کے بی اے کے امتحان میں صرف ایک ماہ باقی تھا۔ اور چونکہ وہ بڑے محنتی تھے اور جماعت میں ہمیشہ اوّل رہتے تھے۔ اس لئے خود ان کے الفاظ میں "مجھ سے یہی توقع کی جاتی تھی کہ میں اسٹیٹ سکالرشپ لے کر ولایت جا سکوں گا۔ چودھری ظفراللہ صاحب پہلے مسلمان تھے، جنکو یہ وظیفہ ملا تھا ان کے بعد کئی سال تک کسی مسلمان کو یہ وظیفہ نہ مل سکا۔ اب سب مسلمانوں کی امیدیں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ یہ وظیفہ پھر ایک مسلمان طالب علم کو ملے گا۔۔۔۔"

۵ فروری ۱۹۱۵ء کو جمعہ کی نماز کے بعد ان طالب علموں کا پہلا قافلہ لاہور سے روانہ ہوا سب سے پہلے یہ ہری پور ہزارہ پہنچا، وہاں سے ریاست امب کی حدود میں داخل ہوا۔ نواب امب کے وزیر اعظم جماعت مجاہدین کی خفیہ طور پر حمایت کیا کرتے تھے۔ ہری پور سے یہاں تک پہنچنے میں ان نوجوانوں کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا، وزیر اعظم مذکور کے ہمدردانہ الفاظ سے ان کی کچھ تلافی ہو گئی۔ یہاں سے اس قافلے نے دریائے سندھ پار کیا ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں۔

دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اتر کر ہم نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور خدا کا شکر کیا کہ خیریت سے سلامتی کی جگہ پر پہنچ گئے۔۔۔ اب میں ایک ایسی سرزمین کی طرف روانہ ہو رہا تھا جہاں نہ کوئی میرا واقف تھا اور نہ وہاں کی زبان میں جانتا تھا۔ اس سرزمین میں کیسے گزارہ کروں گا۔ وہاں کوئی مفید کام کر سکوں گا یا نہیں، یہ سب کچھ مجہول اور نامعلوم تھا۔ اگر تسلی تھی تو صرف یہ تھی کہ اسلامی احکام کی پابندی کے لئے یہ سب پابندیاں عائد کر رہا ہوں

دریائے سندھ کو پار کرنے کے بعد انتہائی کٹھن سفر طے کر کے یہ قافلہ جماعت مجاہدین کے مرکز اسمس واقع علاقہ بنیر میں پہنچا۔ اس مرکز کی اس وقت کیا حالت تھی۔ اس کا مختصر خلاصہ "آپ بیتی" میں یوں دیا گیا ہے "۔۔۔۔ جماعت مجاہدین جو ایک مقصد کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کے ارکان بہت مخلص اور جاں نثار تھے۔ سراپا تحمل اور ہر قسم کی مصیبتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کو تیار تھے۔ ان کو نہ مال و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دولت کی آرزو تھی اور نہ دنیاوی جاہ و عزت کی تمنا تھی۔ وہ تو صرف جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنی جانیں وقف کر چکے تھے اور اس امید پر کہ ان کو ایک دن کفار سے لڑنے جہاد کرنے اور میدان جنگ میں جام شہادت پینے کا موقع ملے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کو دنیا کے تبدیل شدہ حالات کے مطابق کوئی تعلیم و تربیت دینے والا اور ان کو نئی فوجی قواعد سکھانے والا نہ تھا۔ ان میں سے بہت سے بالکل ان پڑھ تھے۔ ان کے پاس نئی بندوقیں صرف چند ایک تھیں.... یہ بندوقیں رئیس مجاہدین کے محافظین کے ہاتھ میں تھیں باقی لوگوں کے پاس چقماقی یا فتیلی بندوقیں تھیں۔ جن کا استعمال اب دنیا میں شاید کہیں بھی نہ رہا تھا.....“

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ یہ جماعت دنیا کی ترقیات اور زمانے کی رفتار سے بالکل بے خبر رہ کر ایک طفیلی اور مسکین سی ٹولی بن گئی تھی۔ جس کا گزارہ یا تو ہندوستانی مسلمانوں کے چندے پر تھا یا حکومت افغانستان کے وظیفہ پر۔

نوجوان طلبہ کا قافلہ چند دن یہاں رہا، اور مصنف ”آپ بیتی“ کے الفاظ میں اس ناگفتہ بہ حالت کا ”ہم پر بہت بڑا اثر ہوا ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہاں رہ کر ہم ہندوستان کی آزادی کے لئے کچھ کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں کابل جانا چاہیئے تاکہ افغانی حکومت کو جنگ میں شامل ہونے پر راضی کریں۔ اگر کامیابی نہ ہو تو ترکی چلے جائیں اور وہاں ترکی فوجوں میں بھرتی ہو کر انگریزوں کے خلاف لڑیں۔ اس لئے کابل کو مجاہدین کا ایک وفد بھیجا گیا تاکہ ہمارے کابل جانے کا راستہ صاف کیا جائے اور افغانی حکومت سے ہمارے لئے کابل جانے کی اجازت لی جائے۔“

آخر کابل جانے کی اجازت آ گئی۔ بڑی مشکلوں سے اور سخت جاں گداز تکلیفوں کے بعد ظفر حسن صاحب اور ان کے ساتھی جلال آباد پہنچے۔ جلال آباد میں انہیں نہایت گندی سرائے میں ٹھہرنا پڑا، لیکن اس کے بعد ان نوجوان طلبہ کے ساتھ جو اسلام اور مسلمان ملکوں کی خدمت کے لئے اپنا گھر بار عزیز و اقارب اور وطن چھوڑ کر اور اپنے مستقبل کی تمام امیدوں کو ختم کر کے ایک آزاد مسلمان ملک میں وارد ہوئے تھے، کیا سلوک کیا گیا۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

> ہم رات کو رباط آ کر سو رہے لیکن صبح کے قریب جب رحمت علی اور عبدالرشید وضو کے لئے رباط سے باہر نکلنے لگے تو ان کو ایک سپاہی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی بندوق پر سنگین (برچھی) لگی ہوئی تھی، روکا اور سنگین کو ان کی طرف پھیر کر بہت غصے سے کہا۔ موقوف است بیرون برآمدہ نمی توانی (یعنی تمہارے لئے باہر جانا منع ہے) یہ بچارے ڈر کر پریشانی کی حالت میں واپس آ گئے۔ جب دن نکلا تو ہم نے دیکھا کہ ہم سب کے سب نظر بند ہیں اور ہم پر ہتھیار بند سپاہیوں کا پہرہ لگا ہوا ہے۔۔۔"

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں سے ہماری وہ نظر بندی شروع ہوئی، جو چار سال یعنی ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خاں کے قتل تک جاری رہی۔

اس نظر بندی کی وجہ یہ تھی کہ ان طلبہ کی ہجرت پر پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر کا اخبارات میں یہ بیان چھپا تھا کہ اگر ان میں سے کوئی پکڑا گیا، تو اس کو ہندوستان کی سرحد پر سب سے پہلے درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی جائیگی۔

معلوم ہوتا ہے امیر حبیب اللہ خاں کے پرائیویٹ سیکرٹری علی احمد خاں کی نظر سے یہ بیان گزرا، اور اس نے برطانوی حکومت کو خوش کرنے کے لئے نظر بندی کا یہ حکم صادر کر دیا اور جب ایک بار اس طرح کا حکم صادر ہو گیا، تو پھر کون کسی کا پرسان حال ہو سکتا تھا۔

"آپ بیتی" میں اس وقت افغانستان کی جو حالت تھی اس کا اجمالی خاکہ بھی دیا گیا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہاں انتہائی حد تک توپس ماندگی تھی ہی، لیکن خود افغانی عوام کی دنیا کی ہر چیز سے بے خبری کا یہ عالم تھا کہ مصنف کے الفاظ میں:۔

اس وقت افغانستان میں صرف ایک ہفتہ وار فارسی اخبار نکلتا تھا۔۔۔ اس اخبار کا نام سراج الاخبار تھا۔۔۔ جلال آبادی اکثر ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اور لوگ عام طور پر پشتو گو ہونے کے سبب سے سراج الاخبار کو کوئی زیادہ نہیں پڑھتا تھا اور بازار میں اخبار نہ بکتا تھا۔ اس لئے ہم جنگ کے متعلق کوئی تازہ خبر حاصل نہ کر سکے۔ ہم جب لوگوں سے پوچھتے کہ جنگ کے بارے میں تازہ خبریں کیا ہیں، تو وہ جواب دیتے تھے۔ "بلے مقدمہ ہست" یعنی جنگ جاری ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ ہم اپنے خیال میں افغانستان کو ایک مہذب ملک تصور کیا کرتے تھے لوگوں کے اس قسم کے جواب سے ہمیں تعجب بھی ہوا اور مایوسی بھی، ہم نے امیدیں باندھ رکھی تھیں کہ افغانستان ہندوستان کی آزادی میں مدد دے گا اور انگریزوں سے لڑے گا۔ یہاں آکر دیکھا کہ کسی کو جنگ عظیم کے بارے میں کچھ خبر ہی نہیں۔ لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ ہم نے خط لکھنے کے لئے کاغذ اور لفافے تلاش کئے تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی دکان ہی نہیں جہاں قلم دوات یا پنسل بکتی ہو۔ ہمیں کہا گیا کہ کاغذ قصاب کی دکان پر بکتے ہیں، مگر قلم دوات بیچنے والا کوئی نہیں۔

دریائے اٹک سے اس پار کے ان مسلمان عوام اور ان کی حکومت سے یہ امیدیں صرف کالج کے ان نوجوان طلبہ ہی کو نہ تھیں، بلکہ مصنف کے الفاظ میں۔

"اس وقت ہم کو اور ہماری طرح ہندوستانی مسلمان لیڈروں کو یہ خیال تھا کہ افغانستان ایک قومی اسلامی ملک ہے۔ اور اگر وہ لڑائی میں شریک ہو کر ہندستان پر حملہ کرے تو وہ انگریزوں کو ضرور ہندوستان سے نکال دے گا۔ مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کا افغانستان آنا اسی غرض سے تھا کہ افغانستان کو شامل ہونے پر اور ہندوستان پر چڑھائی کر لے پر آمادہ کیا جائے۔"

اور یہ خوش فہمی صرف ہمارے ان بزرگوں کی نہیں تھی، بلکہ اس سے تقریباً ایک سو سال قبل ہمارے دوسرے بزرگ بھی اسی قسم کی خوش فہمیوں کے ساتھ ہندوستان سے نکل کر دور دراز کی مسافتیں طے کر کے اٹک سے اس پار پہنچے تھے، اور پھر ان کی کوششوں کا جو دردناک حشر ہوا، معرکہ بالاکوٹ اس کا امٹ نشان ہے افسوس ہے اس معرکے کے بعد بھی مجاہدین کی بعض جماعتیں ان آزاد علاقوں کا رخ کرتی رہیں اور بعد میں ان کے مراکز کی جو افسوس ناک ہوئی "آپ بیتی" میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے، جسے پڑھ کر سخت روحانی اذیت ہوتی ہے۔ اور خلوص اور ملّیت کے ضائع جانے کا رنج ہوتا ہے۔

یہ بہادر طالب علم جان جوکھوں میں پڑ کر ایک آزاد مسلمان ملک میں پہنچے لیکن جلال آباد پہنچتے ہی وہ نظر بند کر دیئے گئے۔ ان کے سالار قافلہ عبدالمجید خاں جو سارے ساتھیوں کا بھاری سامان لانے، جسے خفیہ طور پر پشاور سے بھیجا گیا تھا، ڈک گئے اور جلال آباد واپس آتے انہیں ٹائی فائیڈ ہو گیا۔ اسی بخار کی حالت میں وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ "..... خچروں پر سوار ہو کر کابل روانہ ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کابل تک سات پڑاؤ تھے۔ عبدالمجید خاں کی طبیعت بخار کی وجہ سے روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی لیکن راستے میں ٹھہرنے اور رہنے کا امکان نہ تھا۔ .... کیونکہ راستہ میں پڑاؤ پر کوئی ڈاکٹر موجود تھا اور نہ کوئی دوائی مل سکتی تھی۔ اس لئے ہم جلد و ناچار سفر کرنے پر مجبور تھے تاکہ جلد کابل پہنچ کر کسی ڈاکٹر سے ان کا معالجہ کرائیں۔

عبدالمجید خاں کابل تک تو زندہ پہنچ گئے اور ایک ہندوستانی ڈاکٹر نے انہیں دوائی بھی دی لیکن وہ جان بر نہ ہوسکے اور ۱۹ اپریل ۱۹۱۵ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ ان کی موت سے ہم کو جتنا صدمہ ہوا اس کا ذکر یہاں میرے قلم کی طاقت سے باہر ہے۔

ان طلبہ کے قافلے کے دو رکن عبدالرشید اور محمد حسن یعقوب تھے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں اسی زمانے میں مولوی بشیر صاحب (جماعت مجاہدین کے امیر) کابل سے رخصت ہو رہے تھے انہوں نے ہمارے ساتھیوں میں سے عبدالرشید اور محمد حسن یعقوب کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے قبلہ مولانا (عبیداللہ) صاحب کو کہا تاکہ اسمس کی جماعت مجاہدین میں ایک تازہ اور نئی روح پھونکیں، لیکن افسوس ہے کہ قبلہ مولانا صاحب مرحوم کے ان دو نوجوانوں کو وہاں بھیجنے کے باوجود بھی، وہ لکیر کے فقیر لوگ ایسے دقیانوسی خیالات کے ثابت ہوئے کہ عبدالرشید تو ان کے رئیس نعمت اللہ کی منافقت سے تنگ آگیا اس کو شبہ ہوا کہ نعمت اللہ انگریزوں سے مل گیا ہے۔

"اس نے ایک شام کو نعمت اللہ کو قتل کر دیا۔ اس کے محافظوں نے عبدالرشید کو زخمی کیا اور ابھی وہ جان ہی توڑ رہا تھا کہ اس کو تنور میں ڈال کر جلا دیا۔"

عبدالرشید کا تو یہ انجام ہوا، محمد حسن یعقوب مجاہدین کے دوسرے مرکز علاقہ ہند کے گاؤں چمرکنڈ چلے گئے اور وہاں سے ان کی مدد سے مولوی محمد بشیر صاحب نے سائیکلو اسٹائل میں انگریزوں کی مخالفت میں ایک ماہوار پرچہ نکالا اور بعد میں وزیرستان کے علاقہ میں محمد حسن یعقوب کی سرکردگی میں مجاہدین کی ایک ٹولی بنائی اور اس طرح پر انگریزوں کے برخلاف لوگوں کو اکسانے کی کوششیں کیں لیکن یہ سب جدوجہد بے مائیگی کی وجہ سے ناکام رہی۔

اس زمانے کا شہر کابل کیا تھا؟ امیر کابل کی درباری زندگی کیسی تھی؟ امیر کابل کے شہوانی افعال کس حد تک بڑھے ہوئے تھے۔ پھر دربار میں کون کون سے سیاسی گروپ تھے۔ ظفر حسن صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی وضاحت سے اسے بیان کیا ہے اور اسے پڑھ کر اس زمانے کے کابل اور اس کی سیاست کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

طلبہ کی جماعت نظر بند تھی کہ ۲؍اکتوبر ۱۹۱۵ء کو ہندوستانی، ترکی، جرمن مشن کابل پہنچا۔ اس مشن کے لیڈر راجہ مہندر پرتاپ تھے۔ اور اس کے ایک رکن مولانا برکت اللہ بھوپالی تھے۔ مصنف کے الفاظ ہیں۔

اس وفد کا مقصد امیر افغانستان کو انگریزوں کے برخلاف اکسا کر افغانستان سے ہندوستان پر حملہ کرانے کی تیاریاں کرنا اور اس طرح پر انگریزی فوجوں کے ایک معتد بہ حصے کو یورپین محاذوں کی بجائے ہندوستان میں رہنے پر مجبور کرنا اور جرمنی اور ترکی فوجوں کو اس کے برخلاف زیادہ جنگ کرنے کا موقع دینا اور اگر افغانستان انگریزوں سے لڑ پڑے، تو ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانا تھا

۲؍اکتوبر ۱۹۱۵ء کو یہ وفد کابل پہنچا، اور ۱۵؍اکتوبر ۱۹۱۵ء کو مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم بھی کابل پہنچ گئے۔ ظفر حسن صاحب نے بڑی تفصیل سے اس تاریخی وفد کی سرگرمیوں، اس کے ساتھ افغان حکومت کی دوغلی پالیسی، اور وفد کی سرگرمیوں میں مولانا سندھی کی شرکت کا ذکر کیا ہے۔ مولانا کی وجہ سے ظفر حسن صاحب اور ان کے ساتھیوں کی نظر بندی کی تکلیفیں کچھ کم ہوگئیں اور وہ قدرے آرام سے رہنے لگے حضرت مولانا نے ان بہادر نوجوانوں کی حوصلہ افزائی بھی کی اور انہیں وہ آگے بڑھانے لگے۔ مصنف لکھتے ہیں۔

قبلہ مولانا مرحوم نے ہمیں مرحوم عبدالمجید خاں کی جگہ ایک نیا سردار چننے کو کہا اور ہم نے اتفاق رائے سے عبدالباری[1] صاحب کو اس عہدہ کے لئے انتخاب کر لیا۔ اس کے بعد جب مولانا صاحب مرحوم کو ہندوستانی، ترکی، جرمن وفد سے ملنے کی اجازت ہوگئی تو وہ عبدالباری

---

[1] میاں عبدالباری صاحب ایم این اے۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے تاکہ وہ ان کی انگریزی میں ترجمانی کرے۔ اور ان کی گفت و شنید سے بھی واقف ہو۔ آیندہ کے لئے جو منصوبے وہ بنائیں، انہیں ان کے مشیر کے طور پر کام دے۔

یہ وفد ناکام رہا، اور امیر حبیب اللہ خاں نے اس کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں سے اپنا وظیفہ اور بڑھوا لیا۔ راجہ مہندر پرتاپ نے اپنی ایک حکومت موقتہ ہند بنا رکھی تھی، جب وہ کابل آئے تو انہوں نے اس میں مولانا عبیداللہ صاحب کو شامل کر لیا اور انہیں وزیر داخلہ کا عہدہ دیا۔ اس حکومت کی طرف سے روس کو ایک وفد بھیجا گیا، جس میں ظفر حسن صاحب کے ایک ساتھی طالب علم خوشی محمد بھی شریک تھے۔ غرض کابل پہنچنے کے بعد مولانا عبیداللہ کی جتنی بھی سرگرمیاں تھیں، ان میں یہ طالب علم برابر حصہ لیتے رہے، اور ان کی وجہ سے مولانا کو اور انہیں کافی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔

مصنف نے بڑی شرح و بسط سے یہ تفصیلات بیان کی ہیں، یہ محض ایک تاریخی وثیقہ کی حیثیت نہیں رکھتیں، بلکہ سیاسی کام کرنے والوں کے لئے بڑی سبق آموز اور عبرت خیز بھی ہیں اسی ضمن میں "ریشمی چھٹی" کا واقعہ بھی آگیا ہے۔

"ریشمی چھٹی" کے واقعہ کے بعد طلبہ اور مولانا کو دوبارہ نظر بند کر دیا گیا۔ انہی دنوں کا ظفر حسن صاحب ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں، جو بڑا ہی تکلیف دہ ہے موصوف لکھتے ہیں۔

> ہم اسی گھر میں رہتے تھے کہ جون ۱۹۱۷ء میں سید علی عباس بخاری پشاور سے ہجرت کر کے کابل پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ پشاور میں انگریزوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ وہ ہندستان مسلمانوں میں اپنے قوم پرست جذبات کے سبب سے بہت قابل قدر ہستی مانے جاتے تھے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم اور مولانا محمد علی جوہر سے ان کا تعلق تھا۔ قبلہ مولانا مرحوم سے وہ دہلی میں ملے تھے۔ کابل آنے پر امیر حبیب اللہ نے ان کو نظر بند کر دیا۔ ان کی نظر بندی ہماری نظر بندی کی نسبت بہت سخت تھی۔ وہ بالکل اکیلے ایک گھر میں رہتے تھے اور ان کو بازار جانے کی بھی اجازت نہ تھی اور نہ کوئی ان کے گھر جا کر ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر افغانستان نے انگریزوں کے اشارے پر ان کو سخت نظر بندی میں ڈالا تھا۔

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں :- ہم نے ایک دو دفعہ اپنے پہرہ داروں کو رشوت دے کر اور انکے مہاندار مرزا کو پھسلا کر ان سے ملاقات کی۔ اس قید تنہائی کی وجہ سے ان کے حواس مختل ہونے لگے تھے۔ قبلہ مولانا صاحب مرحوم بھی ایک دفعہ ان سے ملنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس سے ان کی بہت تسلی ہوئی تھی۔ ظفر حسن صاحب کے الفاظ میں۔

وہ بہت ایماندار، اسلام کے دردمند شیدا تھے اور ایک حساس شخصیت رکھتے تھے۔ عالم اسلام کی حالت اور ترکی جنگ کی رفتار سے ان کو بہت صدمہ ہوتا تھا۔ ان جیسی قابل قدر ہستی کا اس طرح مخبوط الحواس ہو کر بے کار ہونے کا گناہ امیر حبیب اللہ خاں کی گردن پر رہے گا۔

سردار محمد نادر خاں، جو بعد میں فرمانروائے افغانستان ہوئے، اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے ان کا ذکر "آپ بیتی" میں یوں کیا گیا ہے۔

فوج کے سپہ سالار جنرل محمد نادر خاں ولد سردار محمد یوسف خاں مصاحب خاص حضور امیر صاحب تھے۔ شاہی رسالے کے بڑے افسران کے دوسرے بھائی مثلاً سردار ہاشم خاں، سردار محمد علی خاں سردار شاہ ولی خاں اور سردار شاہ محمود خاں تھے۔ ان سب صاحبان کی عمر کا بڑا حصہ ڈیرہ دون میں گزرا تھا۔ کیونکہ ان کا خاندان شاہ شجاع اور امیر دوست محمد خاں کے زمانے میں بادشاہ گردی کی وجہ سے افغانستان سے ہندوستان میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ افغانستان میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ لوگ اسی خاندان میں سے تھے۔

...... مرحوم سپہ سالار سردار محمد نادر خاں ہندوستانی مسلمانوں کے خاص کر حامی اور طرفدار تھے... انہوں نے ہمارے محترم مرشد قبلہ مولانا عبیداللہ سندھی کی اور ہماری حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اگر سردار محمود بیگ طرزی کو ..... ترکی معاشرت کا دلدادہ کہا جائے تو مرحوم سردار محمد نادر خاں کو ہندوستانی معاشرت کا حامی کہنا بجا ہوگا۔ مرحوم سردار سپہ سالار محمد نادر خاں کا خاندان مرحوم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا مرید تھا۔ سردار سپہ سالار مرحوم میرے تو خاص طور پر محسن تھے۔ قبلہ مولانا صاحب مرحوم بھی انکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ مشکور رہے۔ اور ان سے ہر وقت اظہار ممنونیت کیا کرتے تھے۔"

اسی سلسلے میں وہ سردار نادر خاں کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں :۔ ان حضرات کی نظربندی کے زمانے میں سردار نادر خاں مرحوم نے ان کے لئے شہر کے باہر ایک باغ میں خیمے لگوا دیئے۔ اس عرصہ میں بقرعید بھی آئی اور سردار سپہ سالار محمد نادر خاں مرحوم، قبلہ مولانا صاحب مرحوم سے ملنے اور عید مبارکی دینے کے لئے آئے۔ اس ملاقات کے دوران میں انہوں نے شیر ببر کی طرف اشارہ کرکے (اس باغ میں چڑیا گھر تھا) قبلہ مولانا مرحوم کو کہا "اس باغ میں دو شیر رہتے ہیں"

کابل کے پورے دوران قیام میں سردار نادر خاں مرحوم مولانا عبیداللہ صاحب اور ظفر حسن صاحب کی ہر ممکن مدد کرتے رہے۔ اور بہت سے نازک موقعوں پر مرحوم ان کے کام آئے۔ ظفر حسن صاحب تو بعد میں ایک لحاظ سے مرحوم کے دست راست بن گئے تھے اور وہ موصوف پر غایت درجہ اعتماد کرتے تھے "آپ بیتی" میں سردار نادر خاں کی شرافت نفس ہمدردی اور عالی حوصلگی کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ راقم السطور کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ سریر آرائے افغانستان ہونے کے بعد بھی سردار نادر خاں مولانا کو نہیں بھولے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دو مرتبہ مکہ معظمہ میں مولانا کو ایک خطیر رقم بھجوائی تھی۔

مولانا عبیداللہ صاحب جب کابل پہنچے، تو ان تعارفی خطوط کی وجہ سے جو ساتھ لائے تھے انہیں بآسانی افغان حکومت کے بعض اصحابِ اختیار اور آخر میں امیر حبیب اللہ خاں سے ملنے کا موقع مل گیا۔ مولانا نے امیر صاحب کو انگریزوں سے الگ کرنے کے لئے جو لالچ دیا تھا، آپ بیتی میں ان سب واقعات کا تفصیل سے ذکر ہے۔ نیز راجہ مہندر پرتاپ نے جرمنوں کو ہندوستان کی جو یک طرفہ تصویر پیش کی تھی، مولانا نے ہندوستانی، ترکی، جرمن مشن کے جرمن ارکان سے مل کر اس کا جس طرح توڑ کیا وہ پڑھنے کے قابل ہے خوش قسمتی سے ان تمام معاملات میں کالج کے یہ نوجوان مولانا کے بہترین مددگار ثابت ہوئے۔

۱۹۱۸ء کی گرمیوں میں پہلی جنگ عظیم ترکوں کی شکست پر ختم ہوئی۔ جس سے افغانستان کے انگریز پرست امرا بڑے خوش ہوئے لیکن ظفر حسن صاحب کے الفاظ میں " قبلہ مولانا صاحب مرحوم کو اس خبر سے جتنا رنج ہوا۔ اسکو یہاں بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔"

۱۹۱۸ء سنہ ۱۹۱۹ء کے موسم سرما میں امیر حبیب اللہ خاں جلال آباد میں مارے گئے۔ اور تھوڑی سی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گڑبڑ کے بعد امان اللہ خاں ان کی جگہ امیر بن گئے۔ جنہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی فوج اور قوم کے سامنے دو باتوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا ... ایک اپنے والد کے قاتل کا پتہ لگا کر اس کو سزائے موت دیں گے۔ دوسری بات یہ تھی کہ انگریزوں سے افغانستان کا استقلال حاصل کریں گے۔ وہ اپنی سب تقریروں میں ان دونوں وعدوں کو ہمیشہ دہرایا کرتے تھے۔

"اپنے دوسرے وعدے کو پورا کرنے کے لئے امیر امان اللہ خاں نے انگریزوں کے برخلاف اعلان جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان تیاریوں میں ایک اہم حصہ قبلہ مولانا مرحوم صاحب مرحوم کی کوششوں کا تھا۔ قبلہ مولانا مرحوم سردار نصر اللہ خاں کے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد امیر امان اللہ خاں کے بلاوے پر جلال آباد سے کابل آئے اور امیر صاحب سے ملے' اس پر امیر صاحب نے ان سے کہا۔ من ہموں ہستم (یعنی میں تو وہی ہوں) قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے بحیثیت وزیر داخلہ حکومت موقتہ ہند امیر امان اللہ خاں سے وہی معاہدہ کیا' جو ان کے والد سے کیا تھا .... اس زمانے میں ہندوستان میں بدامنی تھی۔ اور پنجاب میں جلیانوالہ باغ کے واقعات کی وجہ سے بہت ہل چل مچی ہوئی تھی ..... افغانستان کو اپنا استقلال حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی موقع نہ مل سکتا تھا۔"

ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے ایک رات کو مشین خانہ کابل کے چھاپے خانہ میں جاکر ہندوستانیوں کے نام اردو اور انگریزی میں اعلان چھاپے۔ جن میں انہیں انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی دعوت دی۔ یہ اعلانات ہندوستان پہنچوائے گئے اور مولانا کے بھتیجے اور مولانا احمد علی کے بھائی ان اعلانات کو حیدرآباد دکن تک پہنچا کر آئے۔

آخر یہ جنگ ہوئی۔ اس میں افغانستان کی افواج کی ابتری' بدنظمی اور بزدلی کا جو عالم تھا آپ بیتی میں بڑی تفصیل سے اس کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ خوش قسمتی سے ٹل کے محاذ پر سردار محمد نادر خاں متعین تھے ان کی فراست جنگی تدبیر اور عزم وحوصلہ سے اس محاذ پر افغان افواج کو فتح ہوئی۔ اس طرح محض سردار محمد نادر خاں کے طفیل افغان حکومت کا بھرم رہ گیا۔ اس معرکے میں ظفر حسن صاحب کی ریاضی دانی بڑے کام آئی۔ اور ان کی بتائی ہوئی پیمائش پر جب توپ سے گولہ پھینکا گیا تو وہ قلعہ کے گوداموں پر پھٹا' جس سے وہاں آگ لگ گئی اور اس سے مجاہدین کے حوصلے بڑھ گئے۔ بعد میں سردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نادر خاں نے اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور انہیں دربار شاہی میں امان اللہ خاں کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ کلمات کہے۔

اس نوجوان کی عمر کم ہے، لیکن اس نے ایسی بہادری دکھائی ہے کہ فوج کے بڑے بڑے اور تجربہ کار افسروں کو مات کر دیا ہے۔

اس حملے میں سردار نادر خاں کا ٹھل شہر پر قبضہ ہوگیا۔ گو ٹھل قلعہ بدستور انگریزی تسلط میں رہا شروع میں تو قبائلیوں نے حسب عادت اس شہر کو لوٹا لیکن بعد میں ان کو روک دیا گیا۔ اس ضمن میں ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں۔

میں نے رات کو شہر میں کرفیو لگایا۔ اور رات کو بغیر اجازت اپنے گھروں سے باہر نکلنے سے منع کر دیا۔ تاکہ رات کے اندھیرے میں کہیں پھر فتنہ و فساد اور یغماگری نہ ہو سکے۔ شہر میں مختلف اور اہم جگہوں پر پہرے لگوا دیئے اور فوجی پٹرول چلانے کا انتظام کیا تاکہ رات کو سپاہی شہر میں گھوم کر دورہ کریں ..... اس طرح میں اس پہلے آزاد ہندوستانی شہر کا پہلا سول ایڈمنسٹریٹر بنا اس انتظام کی وجہ سے رات کو شہر میں کوئی واردات نہ ہوئی۔

معرکہ ٹھل میں ظفر حسن صاحب نے جو کارنامہ سرانجام دیا، اس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اس جرمن توپ کو جس سے قلعہ پر گولہ پھینکا گیا تھا' مصنف کے الفاظ میں :۔ ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر مورچے پر لایا گیا۔ یہاں سردار سپہ سالار مرحوم نے مجھے کہا کہ اس نقشے کی مدد سے جو میں نے متون میں تیار کیا تھا اس مورچے سے ٹھل کے قلعہ تک کا فاصلہ معلوم کروں میں نے نقشہ سے ماپ کر یہ فاصلہ میل اور گز کے حساب سے ان کو بتایا۔ انہوں نے مجھے اس کو میٹر میں تحویل کرنے کو کہا کیونکہ اس توپ کی مار میٹر کے حساب سے تھی۔ توپ کا افسر اس عمل تحویل سے بالکل بے خبر تھا اور نہ ہی وہ نقشے سے دو جگہوں کے درمیانی فاصلے کو ماپ سکتا تھا..... معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صلح میں افغانی سپاہیوں کو فوجی تعلیم خاص کر توپ بازی کی تعلیم اس وقت بالکل نہ دی جاتی تھی یہاں تک کہ افسر بھی اپنے فوجی فرائض کو نہ جانتے تھے"

بہر حال ظفر حسن صاحب نے فاصلے کا حساب کر کے بتایا اور سردار سپہ سالار محمد نادر خاں نے خود ہی اس توپ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی نشانہ لگانے والے بانس کے ذریعے قلعہ ٹھل کی بہ حد Aiming Post میں لگایا اور نیسر کیا۔

ظفر حسن صاحب کی کوششوں سے ٹھل شہر میں امن قائم ہو گیا۔ لوگ اپنے کاروبار میں اطمینان سے مصروف ہو گئے، اور مجاہدین کو بھی کھانے کا سامان بہم پہنچتا رہا۔ اس ضمن میں اسلام کے پرستار ان محب الوطن "ہندوستانیوں" کو خود افغانوں کی خدمت کرتے ہوئے قدم قدم پر جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اور ان کے حاسد افغان ان کے خلاف طرح طرح کی جو سازشیں کرتے تھے اس کی ایک مثال ظفر حسن صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

> اگلے روز صبح کو مجھے سردار سپہ سالار مرحوم کا زبانی پیغام ملا جس میں انہوں نے مجھے پڑاؤ کو لوٹ آنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ میں شہر کا انتظام ایک افغان فوجی افسر کے سپرد کر کے پڑاؤ کو واپس آگیا وہاں آکر مجھے سردار سپہ سالار مرحوم کے چیف پرائیویٹ سیکرٹری مرزا محمد یعقوب خاں سے معلوم ہوا کہ مجھے واپس بلانے کا سبب یہ تھا کہ بعض میرے بدخواہوں نے میرے بارے میں سردار سپہ سالار مرحوم کے کان بھرے اور کہا کہ ظفر انگریزوں سے مل گیا ہے۔ اور اب وہ کبھی واپس نہ آئے گا۔ امتحاناً مجھے واپس بلایا گیا تھا۔ سیکرٹری نے کہا کہ آپ کی واپسی سے آپ کی صداقت کا ثبوت مل گیا ہے۔ اور آپ کی غیبت کرنے والے لوگوں کو شرمندہ ہونا پڑا۔

اگر انگریزوں کو یہ ڈر ہوتا کہ افغانستان سے جنگ نے طول پکڑا، تو ہندوستان کے اندر بغاوت ہو جائے گی اور یہ کہ افغانستان میں مقیم محب الوطن ہندوستانی حکومت افغانستان کو ہر طرح کی کمک پہنچا رہے ہیں تو چند دن بعد ہی افغان فوج کی ہوا اکھڑ جاتی اور امیر امان اللہ کو بہت جھک کر صلح کرنی پڑتی۔

افغانستان کی اس جنگ آزادی کی روداد جو "آپ بیتی" میں دی گئی ہے، پڑھنے کے قابل ہے۔ جلال آباد کے محاذ کا کمانڈر ان چیف سپہ سالار محمد صالح خاں تھا۔ بہترین افغانی پلٹن جن کی بندوقیں تھیں اور جن کی توپیں سریع آتش Quick firing تھیں، اس محاذ پر مقرر کی گئی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس محاذ پر جو کچھ ہوا، وہ ظفرحسن صاحب کی زبان سنئے :۔

"...... صالح محمد خاں نے کابل سے اعلان جنگ کئے جانے سے پہلے تورخم کے مقام پر ایک متنازعہ فیہ چشمہ پر قبضہ کرکے ۳ مئی ۱۹۱۹ء کو انگریزوں سے لڑائی چھیڑ دی انگریزوں نے ایک ہوائی جہاز بھیج کر اس کی فوج پر بم پھینکے، جس سے اس کا پاؤں زخمی ہوگیا۔ اس پر وہ "پائے مرا شہید شد" کہتا ہوا محاذ سے ہٹ کر ڈکہ کی طرف پسپا ہوا۔ فوج اپنے کو بے سرا اور بے کمانڈر دیکھ کر میدان جنگ سے پیچھے ہٹی۔ اس کا انگریزی رسالے نے پیچھا کیا اور ڈکہ پر قبضہ کرلیا۔ جلال آباد کے صوبے کے لوگوں نے اس شکست سے یہ سمجھا کہ بس اب حکومت کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ اس پر انہوں نے آ کر شہر جلال آباد کو لوٹ لیا۔ اس سرکاری خبر کے ساتھ امیر صاحب نے سردار سپہ سالار محمد نادر خاں مرحوم کو یہ حکم بھی بھیجا کہ فوراً آگے بڑھ کر ہندوستان پر حملہ کریں تاکہ انگریزی فوجیں ڈکہ سے آگے بڑھ کر جلال آباد پر قبضہ نہ کرسکیں۔"

ٹھل کے محاذ پر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ سردار نادر خاں کو فتح ہوئی تھی اور افغانوں کا ٹھل شہر پر باقاعدہ قبضہ بھی ہوگیا تھا۔ لیکن ٹھل قلعہ وہ فتح نہ کرسکے آخر قلعہ کو انگریزی فوج کی وقت پر کمک پہنچ گئی یہ سنکر فاتح افغان فوج کس طرح بھاگ کھڑی ہوئی، ظفرحسن صاحب بڑی دردمندی سے اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

" اس روز ابھی شام بھی نہ ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کہ ہماری مشین گنیں جو قلعہ کی چوکیوں پر گولہ باری کے لئے دریائے کرم کے پار بھیجی گئی تھیں، خچروں پر لدی ہوئی ..... واپس لائی جارہی ہیں۔ میں نے ان کے سپاہیوں کو روک کر واپس محاذ پر بھیجنے کی کوشش کی لیکن سپاہیوں کے تیور اتنے بدلے ہوئے تھے کہ اگر میں زیادہ اصرار کرتا تو شاید وہ مجھ پر گولی چلادیتے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ محاذ سے پسپا ہونے والے سپاہیوں کا تانتا بندھ گیا۔ سردار سپہ سالار مرحوم ۔ ۔ سے معلوم ہوا کہ دریائے کرم کے پار کے تمام پاپیادہ سپاہیوں، توپوں اور مشین گنوں سے مسلح سپاہیوں نے اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور اپنے افسروں کے حکم کے برخلاف سرکشی کرکے خودبخود پڑاؤ کو واپس آگئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر باقی فوج میں بھی ہل چل مچ گئی۔ ہر کوئی اپنی مرضی سے افغانی سرحد کی طرف پسپا ہونے کو تیار ہوگیا۔ یہاں تک کہ بعض سپاہیوں نے باربرداری کے خچروں پر سوار ہوکر افغانستان کا راستہ لیا اور سامان جنگ اور رسد وغیرہ کو جو ان خچروں پر لدنے والا تھا پیچھے چھوڑ دیا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر لڑے اور بغیر کوئی ہزیمت اٹھائے ان میں یوں بھگدڑ مچ جانے کا باعث صرف یہ تھا:

"انہوں نے صرف قلعہ کو کمک پہنچ جانے سے ڈر کر پسپائی اختیار کی۔ ان کو شاید خطرہ ہوا کہ اگلے روز انگریزی فوج ضرور قلعہ سے نکل کر ان پر حملہ کرے گی۔"

اس معرکے میں کئی موقعوں پر ظفر حسن صاحب نے نہایت خطرناک کاموں کے لئے سردار صاحب کو اپنی خدمات پیش کیں، اور یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے بھی موصوف پر جس طرح اعتماد کیا، ان کی ہر موقع پر عزت افزائی کی۔ اور آخر وقت تک ان کے ساتھ قریبی عزیز اور مخلص رفیق کا سلوک کیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ بیتی میں جہاں بھی سردار محمد نادر خاں کا ذکر آتا ہے۔ اس سے مصنف کی عقیدت اور خلوص ٹپکتا ہے اور واقعی مرحوم اس کے مستحق بھی تھے۔

ٹھل کے محاذ جنگ تک جاتے ہوئے ہر پڑاؤ پر سردار نادر خاں نے ظفر حسن صاحب کو اپنے خیمے میں جگہ دی۔ پھر اپنے جنگی پلان کے بارے میں جن چند ساتھیوں سے وہ مشورہ کرتے تھے، ان میں سے ایک موصوف بھی ہوتے تھے۔

سردار سپہ سالار محمد نادر خاں ظفر حسن صاحب کا کس قدر خیال رکھتے تھے، اس ضمن میں ان کی زبان سے ایک واقعہ اور سن لیجئے۔

نومبر ۱۹۲۱ء میں مرحوم انور پاشا بخارا پہنچے۔ ان کے پہنچنے پر افغانی حکومت نے ان کو روس کے برخلاف خفیہ مدد دینے کا فیصلہ کیا۔ اس لئے سردار سپہ سالار مرحوم (محمد نادر خاں) کو قطغن اور بدخشاں کے افغانی صوبوں کا رئیس تنظیمیہ مقرر کر کے خان آباد بھیجا۔ چونکہ وہ پاشا مرحوم کو روسیوں کے برخلاف مدد دینے کو جا رہے تھے۔ اور میں انگریزوں کا دشمن ہونے کی وجہ سے روسیوں کا دوست مانا جاتا تھا۔ وہ مجھے اس کام پر اپنے ساتھ نہیں لے گئے حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے مجھے نہ جنگ کے دنوں میں اور نہ صلح کے زمانے میں کبھی اپنے سے جدا کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب مجھے ایک روز بخار ہوا اور میں وزارت حربیہ کے سرکاری کام پر نہ جا سکا، تو وہ شام کو میری بیمار پرسی کے لئے گھر بھی تشریف لائے تھے۔"

اس جنگ کے نتیجے میں جس میں سردار محمد نادر خاں کا حصہ سب سے نمایاں تھا، افغانستان کی آزادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تسلیم کر لی گئی، اور وہ دوسرے ملکوں سے سفارتی تعلقات رکھنے کا مجاز ہو گیا۔ افغان وفد جو انگریزوں سے گفتگو کرنے ہندوستان گیا تھا، اس کے بارے میں لکھا ہے۔

..... یہ وفد (افغان وفد) افغانی استقلال کی تصدیق کے سوا اور کوئی اچھی شرطیں حاصل نہ کر سکا۔ ہمیں امید تھی کہ شاید یہ وفد ہندوستان کو کچھ اختیارات دلوانے اور ہوم رول قائم کرنے میں ضرور مدد دے سکے گا، جس کی وجہ سے انگریز ہندوستان کی بدامنی سے ڈر کر افغانستان پر پوری طاقت سے حملہ نہ کر سکے ... اور ڈکہ کوٹلے کر وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہوئے اور جلال آباد تک بڑھنے کی جرأت نہ دکھلا سکے۔

ظفر حسن صاحب نے بجا طور پر شکایت کی ہے کہ افغانستان کے وفد کی طرف سے ہندوستان میں ہوم رول قائم کرانے کے بارے میں مدد ملنا تو درکنار، اس وفد کے قیام ہندوستان کے دوران (۱۹۲۱ء کے شروع میں) وہاں ہندوستانی مسلمان لیڈروں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ اس سے مجھے بہت رنج ہوا، لیکن اس کا سبب اس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ افغانی وفد ہندوستان سے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کافی کامیابی حاصل کر کے لوٹ آیا۔"

بعد میں موصوف پر ہندوستانی مسلمان لیڈروں کی گرفتاریوں کا راز کھلا جلال آباد سے واپسی پر مولانا عبید اللہ صاحب سے انہیں معلوم ہوا کہ جب یہ افغانی ہندوستان جا رہا تھا، تو اس کے صدر سردار محمود طرزی نے مولانا سے ہندوستان کے بعض مسلمان لیڈروں کے نام خط لکھا تھا۔" تا کہ اگر انگریز افغانی وفد کے مطالبات کو منظور نہ کریں یا افغانستان کی آزادی کی تصدیق میں لیت و لعل برتیں تو یہ خط ہندوستانی مسلمان لیڈروں کو دے کر ان کے ذریعہ انگریزوں کے برخلاف بغاوت کرانے کی کوشش کی جائے۔ افغان وفد نے انگریزوں سے کچھ رعایات حاصل کرنے کے لئے اس خط کو انگریزی حکومت کو دے دیا ..." اور اس کی وجہ سے مسلمان لیڈروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

اسی زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں نے افغانستان کی طرف ہجرت کی تحریک شروع کی، اس تحریک کا جو حشر ہوا "آپ بیتی" میں بڑی تفصیل سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسلمانان برصغیر کے چند عظیم تاریخی المیوں سے تحریک ہجرت بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے، جس کا ظفر حسن صاحب کے الفاظ ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے افغانستان پر مالی بوجھ پڑا ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندوستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر ہوگئے۔ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا، تو وہ صرف انگریز تھے۔"

اگرچہ افغانستان کی طرف ہجرت کرنے کا فتویٰ بقول مصنف، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور دوسرے علمائے دیوبند نے اس بنا پر دیا تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دارالاسلام میں چلے جائیں۔ لیکن اس کی حوصلہ افزائی خود امیر امان اللہ خاں نے بھی کی تھی۔ اس بارے میں ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں۔

"..... اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں نے اس وقت ایک تقریر کی، جس کے یہ الفاظ خاص کر قابل ذکر ہیں۔" افغانستان بہ ہمہ وسعت خود آمادہ است کہ مہاجرین ہندی را پناہ بدہد" اس قسم کے بیانات کو قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے کچھ پسند نہ کیا، لیکن ان پر اعتراض بھی نہ کیا امیر صاحب کے ان بیانات کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مسلمانان ہند کے لئے زبانی ہمدردی کریں اور اس سے ذرا انگریزوں کو ڈرا کر افغانستان کے لئے کچھ رعایات لے لیں۔"

ہندوستان کے اندرونی حالات اور مصنف کے الفاظ میں حضرت مولانا عبیداللہ کے تدبر سے" افغانستان آزاد ہو گیا۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستان ویسا ہی غلام رہا، جیسا کہ پہلے تھا۔ افغانستان نے اپنے جنگی حلیف یعنی ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی قدیم روایتی عادت کے بموجب ان کی قسمت پر چھوڑ دیا اس کے بعد انگریزوں نے جو ہندوستانیوں پر ظلم کئے، وہ تو سب دنیا کو معلوم ہی ہیں۔ مگر امیر امان اللہ خاں مستقل بادشاہ بن گئے۔ اور اس کامیابی کا سہرا انہوں نے صرف اپنے سر پر رکھ لیا"

انہی سالوں میں برصغیر میں بڑے وسیع پیمانے پر اور زبردست جوش و خروش کے ساتھ تحریک خلافت چلی، جس میں کوئی تیس ہزار مسلمان انگریزوں کی جیلوں میں گئے۔ اس تحریک کا مقصد ترکی خلافت کی بحالی تھی، مسلمانوں کی ان قربانیوں کا کیا نتیجہ نکلا۔ اس ضمن میں ظفر حسن صاحب بالکل صحیح کہتے ہیں۔

"..... ان کارروائیوں سے ترکوں کو مدد تو ضرور ملی لیکن اس سے ہندوستان کی آزادی کا راستہ نہ کھلا۔ صرف انگریزوں کے لئے ذرا ہندوستان میں پریشانی بڑھ گئی۔ مگر ان کو کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا۔"

اسی زمانے میں سلطنت ترکیہ کے سابق وزیر جمال پاشا کابل آئے۔ پھر انور پاشا نے ان اطراف کا رخ کیا۔ عالم اسلام کی ان دو مشہور شخصیتوں کے بارے میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے تاریخی اہمیت رکھتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ ہمارے ہاں عرصہ دراز تک خاص طور سے انور پاشا کی ایک افسانوی شخصیت رہی ہے۔

انگریزوں سے اپنی آزادی تسلیم کرانے کے بعد حکومت افغانستان کو ایسے ہندوستانیوں کا وجود بار معلوم ہونے لگا، جو انگریزوں کے مخالف تھے، ان میں سے بعض کو تو جیسے کہ لاہور کے ڈاکٹر عبدالحفیظ تھے طریقے سے چلتا کر دیا گیا اور دوسروں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جانے لگیں۔ اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں۔

"وزیر امینہ شجاع الدولہ سے کہا گیا کہ" میں خفیہ طور پر انگریزی سفیر سے ملتا جلتا رہتا ہوں۔ وزیر امینہ نے یہ بات فوراً امیر صاحب کے کان تک پہنچائی کہ وزیر حربیہ سپہ سالار محمد نادر خاں کا اعتماد یافتہ اور نعمت پروردہ ظفر حسن تو انگریزی جاسوس ہے، جو افغانی وزارت حربیہ کے سارے رازوں کو انگریزوں کو دیتا رہتا ہے ..."

اس پر قدرتاً سردار سپہ سالار بالکل حواس باختہ ہو گئے اور مولانا عبیداللہ صاحب نے جب ایک خط لکھ کر ذاتی ضمانت دی تو یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔ اس کے بعد بھی وزیر امینہ ظفر حسن صاحب کے درپے آزار رہا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"اس چغلی کے واقعہ کے چند روز بعد میں ایک شام کو ہوا خوری کے لئے شہر سے باہر سڑک پر ٹہل رہا تھا کہ وزیر امینہ وہاں سے گھوڑے پر گزرا۔ اس نے مجھے دیکھکر یہ کہا:۔ خیر اس دفعہ تو تمہاری جان بچ گئی۔ لیکن آیندہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

انہی دنوں مولانا عبیداللہ صاحب نے کابل میں ایک "ہندوستانی اردو یونیورسٹی" قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور اس کے لئے حکومت افغانستان سے چارٹر مانگا۔ مولانا نے اس کا نظام نامہ بھی بنا لیا تھا اور وزیر خارجہ محمود طرزی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حکومت افغانستان اور امیر صاحب سے اس کی منظوری لے دیں گے۔

اس کے بعد اس ضمن میں جو کچھ ہوا وہ "آپ بیتی" میں یوں مذکور ہے۔

"۱۹۲۱ء میں ڈوبس کے (برطانوی) مشن سے عہد نامہ صلح ہو جانے پر قبلہ مولانا صاحب مرحوم نے اپنی ساری طاقت کو اس ہندوستانی اردو یونیورسٹی کا چارٹر حاصل کرنے میں خرچ کرنا شروع کیا۔"

اس یونیورسٹی کی ابتدا کے طور پر سردار نادر خاں کی مالی امداد سے ایک اسکول بھی قائم ہو گیا، لیکن انگریز پرست افغانوں کی شہ پر اس میں اسٹرائک کرائی گئی۔ اور بعد میں حکومت نے مجوزہ یونیورسٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا چارٹر دینے سے انکار کر دیا۔

مصنف لکھتے ہیں کہ ان تمام امور سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ "حکومت افغانستان" نے اب انگریزوں سے صلح کر کے ہندوستانی قوم پرستوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔۔ قبلہ مولانا صاحب مرحوم کے لئے صرف دو طریقے باقی رہ گئے۔

(۱) افغانستان میں بالکل خاموش بیٹھ جائیں۔ اور باقی زندگی سیاست سے کنارہ کشی کر کے بالکل بیکار گزار دیں۔ یہ طریقہ کار ان کی سیاسی موت کے مرادف تھا۔

(۲) افغانستان چھوڑ کر کسی اور ملک میں رہیں اور وہاں سے انگریزوں کے برخلاف اپنا کام جاری رکھیں آخری فیصلہ کرنے کے لئے قبلہ مولانا نے تقریباً ایک سال غور کیا اور آخر روس کے راستے ترکی پہنچنے کی تجویز طے پائی۔

مولانا عبیداللہ صاحب ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے تھے۔ اور اس سے چند ماہ پہلے مارچ ۱۹۱۵ء میں ظفر حسن صاحب اور اس کے ساتھی افغانستان میں داخل ہوئے تھے۔ ۷ سال بعد ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مولانا، ظفر حسن صاحب اور بعض دوسرے ہندوستانی نوجوان روسی علاقے میں داخل ہوئے، یہاں کتاب "آپ بیتی" ختم ہوتی ہے، جو ظاہر ہے اس کا پہلا حصہ ہے۔ خدا کرے اس کے دوسرے حصے بھی جلد شائع ہوں۔

محترم ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" (حصہ اول) ایک ایسا تاریخی وثیقہ ہے جسے برصغیر کی اسلامی تاریخ کے ہر طالب علم اور سیاسیات سے علمی و عملی دلچسپی رکھنے والے ہر چھوٹے کارکن اور ہر بڑے لیڈر کو پڑھنا چاہیئے۔ یہ محض گزرے ہوئے واقعات کا مجموعہ نہیں، بلکہ اس میں عبرتیں اور سبق ہیں جو ہمارے لئے آئندہ مشعل کا کام دے سکتے ہیں۔

ظفر حسن صاحب نے آپ بیتی لکھ کر مسلمانان برصغیر کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور ملی تاریخ کا وہ باب جو زینت طاق نسیاں بن گیا تھا، اسے انہوں نے دوبارہ ہمارے لئے تازہ کر دیا ہے ہمیں امید ہے کہ کوئی مسلمان پڑھا لکھا گھرانا اس کتاب سے خالی نہ رہے گا۔

منصور بک ہاؤس کچہری روڈ (انارکلی) لاہور ۲

اس کتاب کے ناشر ہیں اور اس کی قیمت ۵ روپے ہے۔ (م۔ س)

© rasailojaraid.com